رشید اختر ندوی کی تاریخ نگاری

نورینہ تحریم بابر*

ڈاکٹر روبینہ رفیق**

Abstract:

Rasheed Akhtar Nadvi is well known historian and novelist. He has written many historical novel alongwith the books of history about difficult historical period and countries. This article is about the historical --------- written by him. The article reflects his vision about history. He knows the difficulties of an historian belonging to one particular religion or region because history needs objectivity. He writes the history of some Muslim period and countries. According to the article, he has succeeded to write these histories with the illusion of prejudice.

تاریخ جہان دانش کا اسرار و رموز میں لپٹا ہوا وہ عنوان ہے جس کی تعریف، تعبیر اور توضیح نہ صرف اس کے معنی و مفہوم میں اضافہ کرتی ہے بلکہ اس کے دائرہ اثر میں بھی برابر توسیع کرتی رہتی ہے۔ یوں تاریخ ماضی کے احوال و آثار، وقائع و حادثات، ان کے اثرات و نتائج، انسانی تجربات اور ان کے مآل کے مطالعات کا احاطہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ایک اچھا تحقیق نگار ماضی کے حال کے ساتھ رشتے اور مستقبل کے لیے اس کی معنویت کا گہرا شعور رکھتا ہے اور اپنے اس شعور کو مطالعہ ماضی کی بنیاد بناتا ہے۔

اسلامی تاریخ نگاری اپنے دائرہ کار، حدود اور حلقہ اثر و نفوذ کے اعتبار سے اپنی معنویت کا جداگانہ تعین کرتی ہے۔ یوں تو تاریخ، دراصل تاریخ ہی ہے اور یہی اس کے معنی کی عمومیت بھی ہے۔ تاریخ ماضی، حال اور مستقبل کی تکون کا سب سے بامعنی حصہ خیال کی جانی چاہیے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں ہمارے سمجھنے اور اس سمجھ کو اپنے علم کی بنیاد بنانے کا سب سے زیادہ امکان پایا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ کہنا درست ہے کہ تاریخ علم کے بنیادی مصادر

* علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

** شعبہ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

میں سے ایک ہے۔ بظاہر اس کا تعلق ماضی سے ہے لیکن اپنے اثرات، پیدا کردہ دانش اور اخذ کردہ بصیرت کے اعتبار سے اس کا رشتہ حال اور مستقبل سے بڑا گہرا ہے۔ عمومی طور پر تاریخ سے مراد گزرے وقتوں کے وہ احوال و واقعات و حوادث ہیں جنہوں نے اقوام و افراد پر اثر انداز ہو کر ان کے ارتقاء کے رُخ اور مزاج کو متعین کیا۔ تاریخ واقعات و حوادث کے ظاہر کو بہ تفصیل بیان کرتی ہے اور ساتھ ہی واقعات و حوادث کے باطن کو دریافت کرنے کی سعی بھی کرتی ہے۔ تاریخ ہے کیا؟ ڈاکٹر مبارک علی نے وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

> ''تاریخ کے ہر طالب علم کے لئے یہ سوال انتہائی اہمیت کا حامل رہا ہے کہ تاریخ کیا ہے؟ ہیگل کے نزدیک انسانی تاریخ عقل و شعور کی تاریخ ہے اور اس لئے سوائے انسانی تاریخ کے اور کوئی تاریخ نہیں..... انسانی تاریخ فکر و عمل کی تاریخ اور انسانی عمل کی تاریخ ہے اس لئے تاریخ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ صرف یہ نہ دیکھا جائے کہ لوگوں نے کیا کیا بلکہ یہ کہ انہوں نے کیا سوچا؟ ایک زمانہ تک تاریخ کو صرف ماضی کی سیاست سمجھا جاتا تھا۔ سر جان سیلے (Sir John Seeley) نے اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے ماضی کی سیاست (Past Politics) کہا تھا۔ ہیگل کے نزدیک بھی تاریخ میں سیاست وہ اہم پہلو ہے کہ جس کے گرد معاشرت و معاش چکر لگاتی ہے۔ مگر اب تاریخ سیاست سے نکل کر معاشیات، عمرانیات، ثقافت، فن، آرٹ بلکہ فنی و سائنسی علوم تک پہنچ گئی ہے۔ کارل مارکس نے تاریخ کے نظریہ میں ایک انقلابی تصور پیش کیا کہ تاریخ میں سیاست مرکزی نقطہ نہیں، بلکہ یہ مرکزی نقطہ معاش ہے۔ معاشی، سیاسی، مذہبی اور فنی تاریخیں ایک دوسرے کے متوازن نہیں چلتیں بلکہ یہ معاش سے متاثر ہو کر اس کے نتیجے میں بنتی بگڑتی ہے''(۱)

سب سے زیادہ قابل توجہ امر یہ ہے کہ ہمیں تاریخ کی طرف کیا چیز متوجہ کرتی ہے، تو اس کا سادہ مگر بامعنی جواب یہ ہے کہ ہمیں تاریخ کی طرف ہمارے مستقبل کے امکانات متوجہ کرتے ہیں۔ یوں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اقوام یا افراد کے لئے تاریخ ازمنہ ثلاثہ کا وہ تسلسل ہے جو کہیں بھی منقطع ہوئے بغیر اپنی تاثیر یا تجربہ، رکاوٹ کے بغیر ایک نسل سے دوسری نسل تک، علیٰ ہٰذا ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل کرتا ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی صراحت کرتے ہیں کہ:

> ''تاریخ کی سب سے بڑی افادیت اس وجہ سے بڑھ جاتی ہے کہ یہ معاشرے کی یادداشتوں کو مجموعی طور پر محفوظ کرتی ہے۔ ایک فرد کی یادداشت کمزور ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی معاشرہ بھی ایک واقعے کو جلد بھول جاتا ہے، اگر ان واقعات کو تاریخ کے ذریعے محفوظ نہیں کیا جائے تو معاشرہ ان کے تجربات کو چاہے وہ اچھے ہوں یا بُرے

جلد ہی بھلا دیتا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان معاشروں میں جہاں جدید تاریخ تشکیل نہیں دی گئی اور جہاں عوام کو جاہل رکھا گیا ہے وہاں سیاسی طور پر وہی اشخاص بار بار اقتدار میں آتے ہیں کہ جو ماضی میں جرائم کے مرتکب ہو چکے ہوتے ہیں.....صرف تاریخ کے ذریعے اس عمل کو روکا جاسکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تاریخ کے مطالعے سے معاشرہ کو خود آگہی کا احساس ہوتا ہے''(۲)

کیا تاریخ امر واقعہ کا نام ہے؟ یہ سوال تاریخ کے ہر طالب علم کے پیش نظر رہتا ہے اور غالباً یہی وہ سوال ہے جس کا نہایت واضح اور متعین جواب، دستیاب نہیں ہوتا۔ وِل ڈیورنٹ (Will Durant) کا یہ خیال کہ اکثر تاریخ قیاس آرائی پر مبنی ہے اور باقی ماندہ کی بنیاد تعصب پر ہے (۳) مکمل سچائی کا احاطہ نہیں کرتا۔ مکمل سچائی کی جو تصویر بھی ہو متعدد وجوہ کی بناء پر، اس تصویر کے بعض حصّے غیر واضح، یا انداز و قیاس پر مبنی ایک تخیّل کی کارفرمائی کا عنصر یا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک تعصّب کا تعلق ہے اس کا معاملہ بجائے خود تاریخ سے نہیں، تاریخ نگار یا مؤرّخ کے ساتھ ہے۔ عمومی طور پر مؤرّخ غیر جانب دار نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکتے۔ گزرے ادوار کا مطالعہ پہلے شوق اور ذوق اور رجحان طبع کے ساتھ مشروط تھا، اب یہ ایک منظّم سائنس یعنی علم کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ بطور علم تاریخ، جس قدر منظّم اور مرتب ہوگی، مؤرّخ کی موضوعیت اسی تناسب سے معروضیت میں ڈھلتی جائے گی۔ یہ توقع کرنا کہ کوئی صاحبِ علم کسی قسم کے تصورات، تاثرات یا بعض تعصّبات نہ رکھتا ہو، موزوں اور مناسب بات نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ جب وہ اپنے شعبۂ علم میں تحقیق کر رہا ہو تو اسے تاریخی تحقیق اور معروضی تجزیہ نگاری کے جملہ تقاضوں کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک فنکار یا تخلیق کار آپ کے معیار یا ذوق پر پورا نہ اُترے۔ یہ ایک دوطرفہ استحقاق ہے جس کا دونوں طرف سے احترام ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بالکل لازم نہیں کہ ایک محقق یا اس کی تحقیق آپ کی توقعات پر پوری اُترے، یا خود محقق کے قیاس کے عین مطابق ہو۔ اسی لئے ایک اچھے محقق کو حیران کن نتائج کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔ تاریخ کا علم انسان کے طرزِ عمل اور اس کے نتائج کا علم بھی ہے۔ یہ قیاس کرنا کہ انسان پر وارد ہونے والے واقعات وحوادث محض اتفاق سے، یا محض غیب کی بے جا مداخلت سے ظہور پذیر ہوتے ہیں درست نہیں، بلکہ یہ افراد و اقوام کا ارادہ اور عمل ہے جو اس پر وارد سلسلۂ حوادث کو جنم دیتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اگر ماضی کے حوادث کا ذمہ دار ماضی کا انسان ہی ہے تو پھر اس کے تجربے کی افادیت یا اپنے عہد میں اس کے مرتبے کا تعین کس طور کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گزرے دور کے انسان کے تجربات کی افادیت اور اپنے عہد میں اس کے مقام، مرتبے کا تعین ان کامیابیوں سے کیا جائے گا یعنی جو اس نے حاصل کیں، یوں اس بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ صرف یہ نہیں کہ کیا اور کس طرح سے ہوا، تاریخ یہ بھی ہے کہ کب

اور کیا پایا، یا حاصل کیا گیا اور اس کی کیا قیمت ادا کی گئی۔

تاریخ چاہے کتنی ہی قدیم کیوں نہ ہو ایک طرح سے ہمارے اپنے عہد کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ اگر ہم سلسلۂ روز وشب کو زمان کی منقسم صورتوں میں قیاس کریں گے تو تاریخ اور ہمارے مابین اجنبیت اور مغائرت قائم رہے گی لیکن اگر ہم روز وشب کے نقش گر حادثات سلسلے کو زمانِ مسلسل قیاس کریں اور یہ شعور پیدا کرلیں زمان کی کڑیاں آپس میں متصل اور ان کا عمل مسلسل ہے تو پھر ہمیں عہد رفتہ اور لمحہ موجود کے رشتے کا اندازہ یا احساس ضرور ہوجائے گا۔ دراصل اس احساس کی اہمیت فقط یہ ہے کہ ہم تاریخ کا مطالعہ، یا ادراک تاریخ کا بامعنی حصہ بن کر کرتے ہیں تو ہمارا تجزیہ زیادہ قابل فہم، کثیر الجہات اور بامعنی نظر آتا ہے۔ اگر تاریخ انسان کا علم ہے تو انسان تو ہم بھی ہیں، اگر تاریخ انسان کے ماحول کے اثرات کا مطالعہ ہے تو ماحول تو ہم پر بھی اثر انداز ہے۔ دراصل یہی وہ احساس ہے جو علم تاریخ کو ماضی کی دھند سے نکال کر حال کی تیز اور روشن دھوپ میں لے آتا ہے۔ تاریخ ایک حد درجہ افادی اور بے حد منظّم علم ہے۔ ڈاکٹر صادق علی گل لکھتے ہیں:

> ''تاریخ واحد علم ہے جو ماضی کے تمام جذبات، واقعات، مشاہدات اور مواد کے خزانوں کو اپنے دامنِ بیکراں میں محفوظ کئے ہوئے ہے۔ یہی وہ علم ہے جو انسانی تہذیب وتمدن اور فلسفہ وادب کے محلات کو سجائے ہوئے ہے۔ اگر دنیا سے تاریخ کا وجود ختم ہوجائے تو پوری دنیا کے علوم وفنون تاریکی میں دفن ہوجائیں۔ انسان کے تمام تجربات خاک میں مل جائیں۔ ماضی کی یادداشتیں ذہنوں سے کھو جائیں تو ہم خود کو کھوکھلا اور بے جان پائیں گے۔ ہماری زندگی اور تہذیب وتمدن خلا میں معلق ہوکر رہ جائے گی۔ اس لئے معاشرے، اداروں اور مختلف نظاموں کے لئے تاریخ کا ہونا از حد ضروری ہے کیونکہ تاریخی شعور وتجربات کے بغیر ہم کوئی نیا دستور، قانون، روایات اور اقدار تشکیل نہیں دے سکتے۔ مطالعہ تاریخ اپنے اندر ہر عہد کے سیاسی، معاشی، مذہبی اور فلسفیانہ افکار ونظریات رکھتا ہے جو ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ نظریات کس ماحول ومعاشرے میں پروان چڑھے، کن طبقات کی نمائندگی کرتے تھے اور کن کی ضروریات پوری کرتے تھے اور معاشرے میں یہ کس قسم کی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی تبدیلیاں وانقلاب لائے ''(۴)

تاریخ بطور علم ہمارا وہ ماضی ہے جو ہمارے حال اور ہمارے مستقبل پر اپنے گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ تاریخ کا منظّم مطالعہ ہمیں واقعات وحوادث کے حقیقی محرکات کے معروضی تجزیئے اور علت ومعلول کے باہمی رشتے سے آگاہ کرتا ہے۔ دراصل یہی وہ مقام ہے جہاں تاریخ کا علم ہمارے مستقبل کی شکل وصورت پر روشنی ڈالتا نظر آتا ہے۔ تاریخی تجزیئے اور تجربے کی بنیاد پر مستقبل کی صورت گری کرنے کی کوشش، اساسی طور پر تخلیقی ہونی

چاہیے کہ تاریخی عمل یا تاریخ کی حرکت یکساں، بعض عوامل کی اسیر، اور پہلے سے طے شدہ تقدیر کی پابند نہیں ہے۔ یہ تخلیقی عمل ہے جو ماضی کو حال اور مستقبل کے ساتھ ایک وحدت میں مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سارے عمل میں بنیادی عامل انسانی ارادہ اور عمل ہے۔ تاریخ دراصل اسی انسانی ارادے اور انسانی عمل کے وقوع اور نتائج کی رزم گاہ خیال کی جانی چاہیے۔

بطور علم تاریخ کی متعدد اقسام ہیں۔ اقسام سے مراد تاریخ کے دائرہ عمل اور احاطہ کار ہے یعنی تاریخ کی قسم بیان کرنے سے ہم جان جاتے ہیں کہ اب ہمارے سامنے ہمارے ماضی کے ان گنت بند دروازوں میں سے کون سا دروازہ کھلنے جارہا ہے۔ تاریخ کی ان نمایاں اقسام میں ایک قسم سوانحی تاریخ ہے۔ اس میں ماضی کی اہم، مقتدر، مشہور اور واقعات وحوادث کا باعث بننے والی نامور شخصیات کے حالاتِ زندگی کے حوالے سے تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ، عمومی طور پر فرد اور افراد کے حالات ہی کی تفصیل ہے لیکن صرف وہ حالات جن کا وقوع اپنے اندر دیگر اَن گنت حوادث کو جنم دینے کی قوت رکھتا ہو۔ اگر یہ بات درست ہے کہ تاریخ دراصل طاقت ور شخصیات کے اعمال وافعال ہی کا نام ہے تو پھر سوانحی تاریخ بنیادی قسم شمار کی جاسکتی ہے وہ لوگ، جو یادرہ جاتے ہیں، دیگر لوگوں سے محض اس وجہ سے الگ، اہم اور ممتاز ہوتے ہیں کہ دوسروں نے جو صرف شاید سوچا ہی ہو، انہوں نے آگے بڑھ کر کر دکھایا، کچھ ایسے کارنامے یا کارہائے نمایاں کر گزرے جنہوں نے بعد میں افراد واقوام کے لئے مثالی حیثیت اختیار کرلی۔ بانیان مذاہب ہوں یا سلطنتوں کو جنم دینے والے فاتحین، سائنس دان ہوں، نظریات وتصورات کو مربوط انداز میں پیش کرنے والے دانشور، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو دراصل اپنے ارادے اور اس کے نتیجے میں تخلیق ہونے والے عمل کے ھمہ گیر اور ھمہ جہت نتائج کی بناء پر تاریخ کا اہم حصہ بن جاتے ہیں۔ دراصل ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ تاریخ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔

سوانحی تاریخ میں عمومی پسندیدگی اور وسیع دلچسپی کے ان گنت سامان ہوتے ہیں اور خواص وعوام دونوں کو اپنی سطح اور اپنی افتادِ طبع کے مطابق مواد مل جاتا ہے۔ تاریخ کی یہ قسم رشید اختر ندوی کی پسندیدہ قسم خیال کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے بالعموم تاریخ کے نہاں خانوں کی طرف افراد وشخصیات کے توسط سے نظر اُٹھائی ہے۔ آغاز سیرت اسے ہوتا ہے۔ محمد رسول اللہا طبع اوّل اور محمد سرور دو عالم ا طبع دوم سیرت پر ایک منفرد کاوش خیال کی جاسکتی ہے۔ پھر عمر بن عبدالعزیز، صلاح الدین ایوبی، حیدر علی، اورنگ زیب اور ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی وسوانحی حیات سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ سوانحی تاریخ سے رشید اختر ندوی کی حد درجہ دلچسپی ان کے رجحان طبع کی طرف ہی اشارہ نہیں کرتی بلکہ ان کے اُن مقاصد کی طرف بھی متوجہ کرتی ہے جو وہ تاریخ کے بیان سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

تاریخ کی دوسری نمایاں قسم سیاسی تاریخ کہی جاسکتی ہے۔اس میں اقوام وملل کے اجتماعی فکر وعمل کے نتائج اوران کے نوع انسان پر اثرات کی سرگزشت رقم کی جاتی ہے۔لیکن سیاسی تاریخ کے بیانیے میں نقطۂ نظر بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔کیا یہ نقطہ نظر، مقتدر قوتوں کا ہے یا عامۃ الناس کا؟ عمومی طور پر سیاسی تاریخ میں مقتدر قوتوں کے زاویہ نگاہ کو مرکزی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اور عامۃ الناس کے احساسات وخیالات کا ذکر محض حاشیے میں ہی آ پاتا ہے۔تاریخ کے ضمن میں یہ نکتہ سامنے ضرور رہنا چاہیے کہ یہ ہوتی ہی خاص لوگوں، خاص واقعات، خاص تصورات، خاص حوادث کا تذکرہ ہے۔یہ عام یا عامۃ الناس اگر تاریخ کے حاشیے میں بھی جگہ پا جائیں تو اسے غنیمت خیال کرنا چاہیے۔رشید اختر ندوی نے اسی طرح کے ایک عام آدمی کی سوانح تحریر کی ہے جو اپنے ارادے اور عمل کی وجہ سے خاص آدمی بن گیا تھا۔یہ حیدر علی کی سوانح ہے۔معاشی تاریخ بھی ایک اہم قسم خیال کی جاسکتی ہے۔

تاریخی عوامل کی معاشی تعبیر کے ضمن میں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ رشید اختر ندوی کے لئے تاریخ کا معاشی اسلوب اپنے اندر کشش رکھتا تھا۔ اسلام میں مرکزی حکومت کا تصور اور اس کی معاشی اور اقتصادی ذمہ داریاں' کا اساسی منہاج تاریخ کا یہی اسلوب ہے۔رشید اختر ندوی نہایت ایمانداری سے خیال کرتے تھے کہ عامۃ الناس کے جملہ معاشی واقتصادی معاملات ومسائل کے حل کی مکمل ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔رشید اختر ندوی سرمایہ داری، جاگیرداری اور دولت کے ارتکاز کو اسلامی نظم سیاست وریاست کے منافی خیال کرتے تھے۔حد سے بڑھی ہوئی ملکیت وزمین کو رشید اختر ندوی ایک فلاحی زرعی ریاست کے مفاد کے منافی سمجھتے تھے۔ان کی تالیف 'اسلام میں مرکزی حکومت کا تصور اور اس کی معاشی اور اقتصادی ذمہ داریاں' کا بیشتر حصہ اسی موضوع کی وضاحت کے لئے وقف ہے۔

تاریخ کی ایک اور قابلِ ذکر قسم جنگی تاریخ کہلاتی ہے۔جنگ وجدل دراصل تاریخ کا ایک مستقل عنصر ہے، یہی وہ عنصر ہے جس سے ایک پرانا نظم تمام ہوتا ہے اور ایک نئی ترتیب سامنے آتی ہے۔قدیم وجدید ادوار میں جنگوں کے جواز اور وجوہات میں کوئی بہت بڑا فرق رونما نہیں ہوا، خطۂ ارضی اور اجتماعی وسائل پر قبضہ، ایندھن کے منابع پر قبضہ، حصولِ زر، حصولِ خوراک اور یہ سب کچھ عموماً کسی دیگر عنوان یا علیحدہ الزام کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ جارح طاقتیں جب بھی مقابل فریق کو جنگ میں اُلجھاتی ہیں تو حقیقی وجہ کو پس منظر میں رکھ کر، کسی دیگر امر کو وجہ حرب قرار دیتی ہیں، جیسے کہ کوئی ارفع نظریاتی جواز، عدل وانصاف، اور زندگی کے بارے میں کسی ارفع تصور کی اشاعت و ترویج۔لیکن امرِ واقعہ کے طور پر وہی وقوع پذیر ہوتا ہے جس کے لئے کاوش کی گئی ہو، بڑی جنگوں کے نتائج بھی وسیع اور کثیر الجہات ہوتے ہیں۔یقینی طور پر جنگیں اس حقیقت کا برملا اظہار ہوتی ہیں کہ طاقت ور کی آرزو اور ارادہ ہی مستقبل کا صورت گر ہوتا ہے اور اخلاقی جواز بھی۔

ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ ''امن'' نام کی کوئی کیفیت، جیسا کہ لغوی طور پر جو کچھ مراد اس لفظ سے لی جاتی ہے وجود نہیں رکھتی۔ جس کیفیت، جس قسم کی صورتِ حال کو 'امن' سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ دراصل دو صورتوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اوّل دو متحارب طاقتوں کے مابین طاقت کا وہ توازن جو دونوں کو جارحیت سے روکے رکھتا ہے۔ دوم کسی ایک فریق کی واضح اور فیصلہ کن برتری جس کو دیگر فریق جانتے اور مانتے ہوں۔

رشید اختر ندوی کے تاریخی شعور سے تاریخ کی اس قسم کی حشر سامانیوں کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ رشید اختر ندوی کی معروف تالیف 'مسلمان اندلس میں' اس کی عمدہ مثال ہے۔ اپنی اس تاریخی تالیف میں رشید اختر ندوی نے اندلس میں مسلمانوں کی عمل کاری اور رزم آرائی کو موضوع بنایا ہے۔ تاریخ کی مذکورہ بالا چند اقسام کے مجموعی تناظر میں، اگر انسانی معاشروں یا قدیم ادوار کا مطالعہ اس عقلی ترقی کے پیمانے سے کیا جائے جو کسی قابل ذکر ثقافت کے قیام کا باعث بنی ہو، اسے ذہنی تاریخ کا مطالعہ کہا جاسکتا ہے۔ کسی عہد کے اجتماعی ذہنی رویّوں اور ان کے مادی اثرات اور مظاہر کا مطالعہ اسی ذیل میں آتا ہے۔ رشید اختر ندوی کی تواریخ، مغربی پاکستان کی تاریخ جلد اوّل، ارض پاکستان کی تاریخ، اور ارضِ پاکستان کا قدیم رسم الخط، اگرچہ جغرافیے اور آثار کی تاریخ ہے لیکن اس کا مجموعی پھیلاؤ ہمیں ارض پاکستان کی اس ذہنی تاریخ سے آشنا کرتا ہے جو اس خطہ ارض کی خاص انفرادیت شمار کی جاسکتی ہے۔ تاریخی تحقیق کو دستاویزی تحقیق بھی کہا جاتا ہے۔

اس طریقۂ تحقیق میں تین طرح کے مصادر سے اعتناء کیا جاتا ہے۔ اوّل غیر مادی مصادر جن کا تعلق تاریخ سے ہے اور جن کا وجود عامۃ الناس کی رسم و رواج، روایات، معاشرتی ضوابط، اعتقادات، اوہام اور اخلاقی رویّے وغیرہ سے ہوتا ہے۔ ان جملہ آثار کو مؤرّخ منطق و دلیل سے سمجھنے اور تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوم مادّی مصادر یعنی وہ مادی آثار جو گزرے ادوار کے انسانوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں ان آثار کی تعمیر صدیوں پہلے ہوئی لیکن یہ ابھی تک باقی ہیں اور علم کا ایک ٹھوس ذریعہ بھی۔ ان میں چٹانوں پر کندہ تحریریں، مجسمے، دیواری مجسمہ کاری، عمارات، برتن، ہتھیار، سکے استعمال کی اشیاء وغیرہ شامل ہیں۔

سوم تحریری یا دستاویزی مصادر۔ اگر مادی مصادر کی جانچ پرکھ اور درجہ بندی اور استناد کا تعین آثار قدیمہ کے ماہرین کرتے ہیں تو تحریری مسوّدات کو پڑھنے، سمجھنے، ان کا زمانہ تحریر متعین کرنے اور اسی ذیل میں مختلف ادوار کے کاغذ کی شناخت، زیرِ استعمال روشنائی کی پہچان اور زمانی تعین، کسی زبان میں طریقہ تحریر کی ارتقائی صورتوں سے واقفیت، سب دستاویزی تحقیق میں آتا ہے۔ تاریخ کو محفوظ کرنے کی سب سے وسیع اور جامع تر صورت تحریری مسودات ہیں۔ گویا یہ اسی قدر قدیم ہوسکتے ہیں جس قدر تحریر کا علم۔ ان دستاویزات کی مزید دو قسمیں قیاس کی جاسکتی

ہیں۔ پہلے غیر سرکاری یا شخصی دستاویزات، اور دوسرے سرکاری دستاویزات۔ رشید اختر ندوی نے اپنے طریقۂ تحقیق میں ان سب مصادر سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کے اسلوب تحقیق میں جن مصادر کو بنیاد بنایا گیا ہے وہ عمومی طور پر مستند اور مطبوعہ آثار ہیں۔ رشید اختر ندوی چونکہ سوانحی تاریخ، جنگی تاریخ اور سماجی و معاشی تحقیق کو عنوان بناتے ہیں اس لئے ان کا رجحان مستند اور مطبوعہ مواد کی طرف نظر آتا ہے۔ یقینی طور پر رشید اختر ندوی ایک ماہر آثاریات نہ تھے لیکن تاریخ نویسی کے جملہ تقاضوں سے باخبر ضرور تھے۔

جہان دانش میں رشید اختر ندوی کا سب سے معتبر حوالہ اور قابلِ ذکر تحقیقی، تصنیفی کام ان کی تاریخ نویسی ہے۔ تاریخ سے ان کی دلچسپی اپنے اندر کئی جہات رکھتی ہے۔ ایک جہت خالصتاً ذاتی اور جذباتی ہے۔ یہ ان کی والدہ محترمہ کی ان کی ذات سے وابستہ توقعات کے حوالے سے ہے جو رشید اختر ندوی کو ندوۃ العلماء جیسے مدرسے سے تعلیم حاصل کرنے بھیجتی ہیں اور جن کی آرزو رہی کہ ان کا فاضل فرزند ایک عالم دین بنے۔ رشید اختر ندوی ندوۃ العلماء میں تعلیم تو مکمل نہ کر پائے لیکن وہاں سے ندوی کی نسبت لے کر نکلے اور پھر مستقل طور پر ندوی بن گئے۔ یہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ماحول اور تعلیم اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی ھمہ پہلو تربیت ہے جس نے رشید اختر ندوی کو علم تاریخ، فلسفۂ تاریخ اور اطلاق تحقیق سے روشناس کرایا۔ یہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی شخصیت کا اعجاز ہی تو ہے کہ انہوں نے نوجوان رشید اختر کے ذہن میں حال اور مستقبل کے ماضی کے ساتھ رشتے کو صحیح تناظر میں سمجھنے کا شعور پختہ کیا۔ وہ تاریخ نویسی کی طرف اس وقت آئے جب وہ اظہار کے متنوّع اسالیب سے واقف و آگاہ ہو چکے تھے اور انہیں مقبول رومانی ناول نگاری کرتے ہوئے چند سال بیت چکے تھے۔

رشید اختر ندوی کے تصور تاریخ کو سمجھنے کے لئے، برصغیر میں بطور مسلمان ان کی شناخت کے اجزاء کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ وہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں پیدا ہوئے اور ان کے جوان ہونے تک دنیا دو عظیم جنگیں اور ان کے اثرات دیکھ چکی تھیں۔ نہ صرف یہ، بلکہ غلام ہندوستان میں ہر سطح پر بیداری اور آزادی کی تحریکیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ ملک دو قوموں کی بنیاد پر تقسیم ہو رہا تھا۔ بطور مسلمان سیالکوٹ کے گاؤں آلومہار شریف میں پیدا ہونے والے، گوجرانوالہ، لکھنو و دہلی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے رشید اختر ندوی کا تعلق قومیت کے ایک نئے انداز، جدا تصور اور منفرد ترتیب کے ساتھ منسلک تھا۔

قومیت کا یہی تصور برِصغیر کے مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی طاقت اور فیصلہ کن عامل بننے والا تھا اور اس طرف اشارہ اور توجہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ رشید اختر ندوی کے تاریخی شعور کا اس تصور قومیت سے گہرا تعلق بھی ہے۔ اس تصور قومیت کی بنیاد پر تشکیل پانے والی کامل تنظیم اور پھر اس تنظیم میں اتحاد عزائم و مقاصد رشید اختر

ندوی کے شعور تاریخ کے اساسی اجزاء ہیں۔ نہ صرف تاریخ بلکہ تخلیقی ادب کی بنیاد بھی رشید اختر ندوی کے ہاں یہی شعور ہے۔ ان کے جملہ رومانی ناول کہ جن پر انہیں زندگی بھر فخر رہا۔ اسی کشمکش کی تصویریں ہیں جو ناموافق حالات کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ رومانی ناول نویسی کے چند سال بعد ہی رشید اختر ندوی نے تاریخ نویسی کی طرف توجہ کر لی تھی اور قریباً چھ سال تک وہ یہ دونوں کام ساتھ ساتھ کرتے رہے۔ ان کے ذہنی ارتقاء کے مطالعے میں یہ چھ سال بھی ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ ایک اندرونی محاربے سے بھی دو چار ہیں۔ بالآخر ''جھوٹی کہانیوں'' اور اسلامی تاریخ کے معرکے میں، تاریخ جیت جاتی ہے۔ اپنے اندر کے ناول نویس کو مارنے کی بجائے رشید اختر ندوی اسے تاریخی کرداروں پر ناول لکھنے پر آمادہ کر لیتے ہیں اور پھر ان کے جملہ تاریخی ناول ان کے تاریخی مطمح نظر کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس عہد کا تقاضا بھی تھا اور سماجی سطح پر ہندوستان کی مسلم کمیونٹی کے تصور قومیت کی تقویت سے متصل و منسلک بھی کہ رشید اختر ندوی تاریخ کو اپنے نظریئے کے مطابق پیش کریں اور تجزیہ کریں۔

یہ سب کچھ رشید اختر ندوی پر بھی اثر انداز ہوا تھا۔ ندوہ کے طلبہ کا کسی سیاسی تحریک، یا آزادی ملک کے لئے برپا کی گئی کسی عملی جدوجہد کا حصہ بننا ممکن نہیں تھا۔ لیکن اجتماعی شعور میں برپا طلاطم سے ندوہ کا نظم وضبط بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ رئیس احمد جعفری ندوی، ندوہ میں رشید اختر کے ہم جماعت تھے، دونوں دوست بھی تھے اور کم و بیش آگے پیچھے ندوہ میں تشریف لائے تھے۔ رئیس احمد جعفری ندوی کے حالات میں محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ:

> ''۱۹۳۰ء میں ندوہ کے طلباء میں ایک احتجاجی تحریک شروع ہوئی اور ہڑتال تک نوبت پہنچی۔ جس کے نتیجے میں رئیس صاحب کو ندوہ سے نکال دیا گیا اور وہ دہلی جا کر جامعہ ملیہ میں داخل ہو گئے''(۵)

قیاس چاہتا ہے کہ رشید اختر ندوی بھی اسی دوران اور اسی حوالے سے، جامعہ ملیہ دہلی چلے آئے۔ ہاں البتہ دونوں دوستوں کو ندوہ سے نسبت ہمیشہ عزیز رہی۔ رئیس احمد جعفری کو بھی اور رشید اختر کو بھی۔ دونوں پھر ساری عمر ندوی ہی رہے۔ بیسویں صدی کی تیسری دھائی اور اس کے بعد کا عہد آزادی کی تحریکوں کے عروج کا زمانہ ہے۔ یہ جملہ عوامل جن کا ذکر ہوا، رشید اختر کے تاریخی شعور کا حصہ بنے۔ اس ضمن میں اساسی بات یہ ہے کہ رشید اختر ندوی کے نزدیک تاریخ عقیدے اور دینی تسکین کے جذبے کے تابع ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے اس احساس اور تاریخ کے بارے میں اپنے اس تصور یا شعور کو کبھی چھپایا نہیں۔ بطور مؤرّخ رشید اختر ندوی اس حقیقت سے واقف و آگاہ تھے کہ مؤرّخ کا جذبات سے عاری ہونا، رجحان یا عقیدے کی قید سے آزاد ہونا یا ایسا کرنے کا دعویٰ کرنا درست اور موزوں بات نہیں۔

رشید اختر ندوی مؤرّخ کے منصب کے بارے میں کسی ابہام کا شکار نہیں تھے اور نہ ہی وہ تاریخ کو عصرِ

حاضر کے تناظر سے علیحدہ ہو کر دیکھنے کو موزوں خیال کرتے تھے۔ برِصغیر کے مسلمانوں کے لئے اسلامی تاریخ یا مسلمانوں کی تاریخ اپنے اندر نہایت گہرے مطالب اور بے حد بلیغ اشارے رکھتی ہے۔ دراصل برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ان کی تاریخ ان کے حسب اور نسب کا متبادل ہے۔ شعوری طور پر رشید اختر ندوی نے یہ کوشش کی کہ وہ تاریخ کو ایک ارفع مقصد کے لئے مرتب کریں اور وہ ارفع مقصد اس کے سوا کچھ بھی نہیں تھا کہ یہاں کے مسلمانوں کو ان کی شناخت (قومیت) کے حوالے سے اعتماد دیا جائے۔ ان کے عزم کو بلند کیا جائے اور مسلمانوں کی تاریخ میں سے سیرت و کردار کے ارفع نمونے ان کے سامنے پیش کر کے ترغیب دی جائے کہ وہ بھی اپنی زندگیوں کو منظّم کرنے کے لئے سیرت و کردار کے ان نمونوں کو مثال بنا کر سامنے رکھیں۔ یہ بیسویں صدی کی تیسری دھائی کی اہم ترین ضرورت تھی اور جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا گیا یہ ضرورت بھی دو چند ہوتی گئی۔ اور بالآخر یہی تاریخ یہاں کے مسلمانوں کے حال کی سب سے بڑی تقویت اور مستقبل کا سب سے اہم حوالہ بن گئی۔ یہ وہ دور ہے کہ جب برصغیر نے مسلمانوں کی تاریخ کے ادب کا وقیع ذخیرہ جمع کر لیا۔ رشید اختر ندوی نے اس ذخیرے میں اپنا حصہ ضرور ڈالا اور اس حصے کی اہمیت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں۔

نوجوان رشید اختر ندوی ایک تاریخ نویس کے طور پر روایتی طرز، اسلوب اور اندازِ تاریخ نویس کے قابل نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے اور اچھی طرح سے سمجھتے تھے کہ تاریخ ماضی کی بے جا پرستش کا نام نہیں۔ تاریخ میں واقعات و حالات کی اہمیت مسلّم، لیکن اصل اہمیت اور معنویت اس بصیرت اور فراست کی ہے جو ان واقعات و حالات کے نتائج کے طور پر سامنے آئی اور آئندہ زندگی کا بامعنی اثاثہ بنی۔ اپنے شعور تاریخ کا تجزیہ وہ خود کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''میں تاریخ کے پرانے انداز کا قائل نہیں ہوں، میں واقعات و حالات کے تسلسل کو ضروری نہیں سمجھتا۔ ان کی نوعیت اور کیفیت میرے نزدیک زیادہ اہم ہے''(۶)

نوعیت اور کیفیت سے غالباً یہی مراد ہے کہ وہ واقعات و حالات اپنے اندر معنی آفرینی کے کس قدر پہلو پنہاں رکھتے ہیں۔ کچھ یہی زاویہ نظر ہے جس سے رشید اختر ندوی نے مسلمانوں کی جملہ سیاسی، سماجی اور تہذیبی تاریخ کو عنوان بنایا ہے۔ رشید اختر ندوی نے مسلمانوں کی تاریخ پر سات مربوط منصوبے مکمل کیے۔ ان میں پہلا 'طلاعِ اسلام' کے زیرِ عنوان چار جلدوں پر مشتمل اسلامی تاریخ کا منصوبہ ہے۔ یہ کتب تاریخ 'تاج کمپنی' کے زیرِ اہتمام ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۹ء تک شائع ہوئیں۔ دوسرا منصوبہ اندلس میں مسلمانوں کی تاریخ پر مشتمل تھا یہ ایک ضخیم جلد کی صورت ۱۹۵۰ء میں 'مسلمان اندلس میں' کے زیرِ عنوان منظر عام آیا۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے زیرِ اہتمام 'تہذیب و تمدن اسلامی' کے زیرِ عنوان تین جلدوں پر مشتمل مسلمانوں کی تہذیبی ترقیات کا مجموعہ بالترتیب ۱۹۵۱ء،

۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۵۵ء میں مسلمان حکمران کے زیر عنوان اسلامی اصول حکمرانی اور نظم ونسق پر ایک مربوط و منظّم کتاب مرتب کی۔ خلافت راشدہ اور جمہوری قدریں کے زیر عنوان ایک ضخیم تاریخ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی۔ اسلام میں مرکزی حکومت کا تصور اور اس کی معاشی واقتصادی ذمہ داریاں ۱۹۷۵ء میں منظر عام پر آئی۔

رشید اختر ندوی نے ارض پاکستان کے مورخ کے طور پر کل چار تحقیقی منصوبے مکمل کیے۔ مغربی پاکستان کی تاریخ جلد اوّل مرکزی اور بورڈ لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ دوسری جلد ارض پاکستان کی تاریخ کے زیر عنوان ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ اس سلسلے کی تیسری تالیف شمال پاکستان ہے جو ۱۹۹۰ء میں منظر عام پر آئی۔ پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت کے زیر اہتمام رشید اختر ندوی کی وفات کے بعد ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ اور یہ ارض پاکستان کی تواریخ کے سلسلے کی آخری تالیف ہے۔ **(۷)**

رشید اختر ندوی کی تاریخ نگاری کا ایک پہلو ان کی تاریخی سوانح نگاری ہے۔ انہوں نے مجموعی طور پر چھ تاریخی شخصیات کی مستند سوانح تالیف کیں۔ اس سلسلے کی پہلی سوانح 'اورنگ زیب' کے زیر عنوان ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۵۳ء میں 'صلاح الدین ایوبی' اور ۱۹۵۷ء میں 'عمر بن عبدالعزیز' کی سوانح منظر عام پر آئیں۔ ۱۹۵۹ء میں رشید اختر ندوی نے سیرت کے موضوع پر 'محمد رسول اللہ' کے عنوان سے ایک ضخیم جلد شائع کی۔ سیرت کی یہی کتاب بعض ترامیم کے ساتھ محمد سرور دو عالم کے عنوان سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ سیرت کی اس کتاب پر بعض اعتراضات کیے گئے، جن کو رشید اختر ندوی نے دور کر دیا تھا۔ میسور کے عظیم حکمران اور سلطان ٹیپو شہید کے والد حیدر علی کی سوانح ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی۔ رشید اختر ندوی کی مرتب کردہ آخری سوانح معاصر تاریخ کی ایک نادر شخصیت ذوالفقار علی بھٹو پر تھی۔ یہ سوانح دو ضخیم جلدوں کی صورت میں ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی سوانح حیات حصہ اوّل اور حصہ دوم کے زیر عنوان بالترتیب ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی ہیں۔ **(۸)**

بطور مؤرّخ رشید اختر ندوی امر واقعہ اور عقیدے کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ کسی مؤرّخ کا کوئی عقیدہ نہ ہو، یا سیاسی رجحان نہ ہو، لیکن وہ جانتے تھے کہ مورّخ کے عقیدے اور سیاسی رجحان کو تفسیر تاریخ پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ انہوں نے اپنے اسلوب تاریخ نویسی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> '' میں نے عام مسلمان مؤرخوں کی طرح کسی خاص عقیدے یا کسی خاص سیاسی زاویے کی پابندی نہیں کی اور نہ یہ میرا مسلک ہے۔ میں ایک عام گنہگار مسلمان ہوں۔ مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا ہوا، اسلامی درسگاہوں میں تعلیم پائی۔ مسلمان معلّموں سے اسلامی تاریخ پڑھی اور زیادہ تر مسلمانوں کی لکھی ہوئی تاریخی کتابیں دیکھیں۔ مگر میری یہ تالیف ایک اس شخص کی تالیف ہوگی جو محاسن کے بیان کو کافی نہیں

سمجھتا۔ جو غلطیوں، کوتاہیوں اور بُرائیوں کا ذکر بھی اسی ذوق کے ساتھ کرتا ہے جس شوق سے محاسن کو گنواتا ہے۔ اس لئے کہ میرے نزدیک جہاں محاسن کا ذکر ضروری ہے وہاں کوتاہیوں اور لغزشوں کی داستان بھی قابل بیان ہے۔ یہ دونوں چیزیں قومی تعمیر کے لئے ایک جیسی اہمیت رکھتی ہیں۔ مسلمان قوم بہت گرتی جارہی ہے، کبھی وہ وقت تھا جب مسلمان سب سے اونچے تھے اور وہ وقت بھی آیا جب مسلمان اپنے لئے ہی باعث شرم بن گئے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وقت بہت بعد میں آیا لیکن میرے نزدیک یہ وقت خلافتِ راشدہ کے خاتمہ کے بعد ہی شروع ہوگیا''(۹)

محاسن کے ساتھ مصائب کے بیان یعنی خوبیوں کے ساتھ خامیوں، اچھائیوں کے ساتھ ساتھ بُرائیوں کی طرف اشارہ ہی تاریخی معروضیت کو جنم دیتا ہے۔ تاریخ میں، دراصل، سب کچھ ہوتا ہے۔ روشن بھی اور تاریک بھی۔ بس یہ تاریخ نویس کے تصور یا شعور پر منحصر ہے کہ وہ تاریخ کے اجزاء سے کس طرح کی تصویر بنا کر دکھا دیتا ہے۔

بطور مسلمان مؤرّخ، رشید اختر ندوی اپنے مطمح نظر کو بھی نہیں چھپاتے، وہ برملا کہتے ہیں کہ وہ اپنی مسلمانوں کو تاریخ کے جبر کا غلام بنانے کی بجائے ان کی تاریخ کو ان کے لئے تقویت کا عنوان بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے شعوری طور پر کوشش کی کہ اس انحراف کو تلاش کیا جائے جہاں سے مسلمانوں کے ھمہ جہت زوال کا آغاز ہوا اور دنیا کو انسانی آزادی، مساوات اور اخوت کا درس دینے والے مسلمان خود ملوکیت اور شخصی بادشاہت کی علامت بن گئے۔ رشید اختر ندوی کا تجزیہ یہ ہے کہ ہماری تاریخ میں یہ انحراف امیر معاویہ نے کیا تھا۔ رشید اختر ندوی لکھتے ہیں کہ:

''جناب امیر معاویہؓ نے ریل کی پٹری کا کانٹا کچھ ایسا بدلا کہ اسلامی گاڑی سمتِ مخالف کی طرف بھاگنے لگی۔ ملوکیت اسلام کے بالکل متضاد چیز تھی۔ جناب امیر معاویہؓ کے طرزِ عمل سے مسلمانوں میں ملوکیت آگئی اور مسلمان اپنی دنیوی سربلندیوں کے باوجود وہ نہ رہے جیسے کہ رسول اللہ چاہتے تھے''(۱۰)

اسلامی تاریخ کے حوالے سے یہ رشید اختر ندوی کا نہایت سوچا سمجھا مؤقف اور استدلال ہے۔ وہ اسلام اور ملوکیت کو دو متضاد انتہاؤں پر دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس ملوکیت نے اسلام کے روشن جمہوری چہرے پر گرد ڈال دی تھی اور پھر صدیوں تک مسلمان تاریخ میں اپنا وہ کردار ادا نہ کر سکے جو وہ کر سکتے تھے۔ اسی ضمن میں رشید اختر ندوی اپنی معاصر سیاسی تحریک اشتراکیت کو بھی ایک ردِعمل خیال کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دنیا کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کی اندرونی زندگی سے گھبرا کر کمیونزم کی طرف مائل ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ کی اس تعبیر پر بحث کی جاسکتی ہے لیکن اس سے رشید اختر ندوی کی اس وابستگی،

والہانہ پن اور اعتماد کا اظہار ضرور ہو جاتا ہے جو انہیں اسلام سے بطور ایک سیاسی اور تہذیبی نظام کے تھی۔ وہ اسلام میں ملوکیت کی مداخلت کو جملہ سیاسی وعمرانی خرابیوں کا ذمہ دار خیال کرتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ:

''اگر اسلام میں ملوکیت نہ آتی تو آج کمیونزم عالمِ وجود میں نہ آتا اور دنیا کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کی اندرونی زندگی سے گھبرا کر کمیونزم کے دامن میں پناہ نہ لیتا۔..... میں یہ بات اچھی طرح واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام کو دنیا کے امراض کا سب سے عمدہ اور بہتر نسخہ ماننے کے باوجود کمیونزم کے بانیوں میں کمیونزم کے جراثیم کیوں پیدا ہوئے۔ میرے نزدیک اس جُرم کے مرتکب وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اسلام کے دامن میں ملوکیت کا بُت چھپالیا اور اسے اس طرح پوجنے لگے جس طرح دوسری قومیں پوجتی چلی آتی ہیں''(۱۱)

اس اندازِ نظر سے رشید اختر ندوی کے اسلامی تاریخ نویسی کے رجحانات کا اندازہ اچھی طرح سے لگایا جاسکتا ہے۔ بطور مؤرّخ رشید اختر ندوی اپنے طرزِ فکر کا برملا اظہار کرتے ہیں وہ خود کو تاریخ کا ایک جانب دار طالب علم قرار دیتے ہیں۔ بطور تاریخ نویس اپنے منصب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''..... میں یقیناً تاریخ کا ایک جانب دار طالب علم ہوں اور صرف ان ہی تاریخی شخصیات پر قلم اُٹھاتا ہوں جن سے مجھے عقیدت ہوتی ہے اور جو میرے منتہائے نظر کی سو فیصد ترجمان ہوتی ہیں۔ میں نے اورنگ زیب کی طرح حضرت عمر بنؒ عبدالعزیز صلاح الدینؒ ایوبی اور حیدر علی کی سوانح حیات صرف اس لئے لکھیں کہ وہ میری آئیڈیل شخصیتیں ہیں اور میں نے ان کی سیرت کو عوام کے سامنے لا کر عوام کو دعوت دی ہے کہ وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز، صلاح الدینؒ، اورنگ زیبؒ اور حیدر علی کے کردار کی سانچے میں خود کو ڈھالیں۔

حتیٰ کہ میں نے جناب عمر بنؒ عبدالعزیز پر قلم اُٹھانے سے پہلے محمد سرور دو عالم ا، تہذیب وتمدن اسلامی، مسلمان حکمران، مسلمان اندلس میں اور خلافت راشدہ اور جمہوری قدریں کے عنوان سے تاریخ کی پانچ معیاری کتابیں بھی کسی تاریخی تحقیقی جذبہ وشوق کی وجہ سے نہیں لکھی تھیں۔ میں نے بلاشبہ ان کی تصنیف کے وقت بڑی محنت ومشقت کی حد درجہ تاریخی جستجو کو استعمال میں لایا اور پورے مشرقِ وسطیٰ کے کتاب خانوں کو چھان ڈالا۔ مگر میں نے یہ پانچوں معیاری تاریخی کتابیں محض اپنے عقیدے، محض اپنی دینی تسکین، محض اپنی محبوب شخصیتوں سے بے پناہ عقیدت اور عشق کی حد تک محبت کی بنا پر تصنیف کی تھیں۔ یوں بھی جدید وقدیم دور کے مؤرّخین میں

سے کسی ایسے مؤرّخ کا نام پیش نہیں کیا جاسکتا ہے جس نے تاریخ کو موضوع بناتے
وقت اپنی دینی یا ذہنی تسکین کا سامان مہیا نہیں کیا ہے''۔(۱۲)

دینی اور ذہنی تسکین سے مراد غالبًا یہ ہے کہ کسی ارفع مقصد، اعلیٰ نصب العین کی خاطر اپنی کمیونٹی کی اجتماعی یادداشت میں مثبت، امید افزاء اور بامراد واقعات کو تازہ کیا جائے اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ سیرت و کردار کے مثالی نمونے ان کے سامنے پیش کئے جائیں۔اس مقصد کے لئے اسلامی تاریخ اور برِصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ رشید اختر ندوی کی دلچسپی کے میدان ہیں۔اسلامی تاریخ میں عرب مؤرّخین کی اولیت اور کاوش کو بنیادی مصادر کی حیثیت حاصل ہے۔رشید اختر ندوی اسلامی تاریخ کے تناظر میں، عرب مؤرّخین کے کردار کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں۔

''...... یہ دعویٰ کوئی غلط دعویٰ نہیں ہے کہ عرب مؤرّخین اس صفحہ عالم کے پہلے مؤرّخین قرار دیئے گئے ہیں۔وہ ملّی تاریخ کے بانی ہیں۔یہ صرف وہ ہیں جنہوں نے باقاعدہ تاریخ نویسی کا آغاز پہلے پہل کیا تھا اور معیاری تاریخ نویسی کی طرح ڈالی تھی۔ورنہ اس سے پہلے رومی ساسانی حتیٰ کہ یونانی تہذیب وتمدن پر کوئی مرحلہ ایسا نہیں آیا تھا جبکہ اس کے علماء نے تاریخ نویسی کو ایک فن کے طور اختیار کیا ہوا اور کوئی ایسی کتاب تصنیف کی ہو جسے ہم علم تاریخ کی بنا قرار دے سکیں اور کہہ سکیں کہ سکیں کہ یہ کتاب تاریخ کی پہلی یا دوسری کتاب ہے یہ صرف عرب مورّخین ہیں جن کی تصانیف فنِ تاریخ کی اساس ہیں اور جن کی کتابوں کو تاریخ کی پہلی دوسری یا تیسری کتاب ٹھہرایا جاسکتا ہے اور یہ کہنا بھی حقیقت کا اعتراف کرنا ہے کہ ان عرب مورّخین میں سے پہلے، دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں حتیٰ کہ چھٹے اور اس کے مابعد کے سارے مورّخین نے تاریخ نویسی کا کام اس لئے کیا تھا کہ وہ حضورِ سرورِ دوعالمﷺ اور اسلام سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کی دلی خواہش تھی کہ حضورِ اکرمﷺ کی سیرتِ پاک اور اسلام کی جدوجہد کو آنے والی نسلوں کے حوالے کر جائیں۔

اہلِ علم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ علم تاریخ کے پہلے بانی جناب امام مالکؒ اور ابن اسحاق ہیں۔اول الذکر کی تصنیف موطا گو تاریخ میں نہیں حدیث میں شامل کی گئی ہے مگر اس کتاب کی دونوں حیثیتیں مسلم ہیں۔امام مالکؒ اور ابن اسحاقؒ دونوں ہم عصر تھے یہ دونوں پہلے عرب مؤرّخین ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔دوسرے مورّخ ابن ہشام اور ابن سعد ہیں جن کا پایہ استسنا دامام مالکؒ سے ملتا جلتا ہے۔(۱۳)

مسلمانوں کی تاریخ سے رشید اختر ندوی کا یہ معنوی تعلق بڑا گہرا ہے۔جناب رسالت مآبﷺ کی ذاتِ پاک سے وابستگی کو رشید اختر ندوی اپنے لئے تقویت کا سامان خیال کرتے ہیں۔سیرت پر ان کی تالیف محمد سرور دو

عالم ااس کی عمدہ مثال ہے۔ اگر چہ اس تالیف پر اس کے بعض مصادر کے حوالے سے رشید اختر ندوی کے استناد سے اختلاف کیا گیا لیکن رشید اختر ندوی نے اسے بحث ونزاع کا عنوان بنانے کی بجائے فوری طور پر مجوزہ ترمیم وتصحیح کر لی۔ وہ اپنے ارفع مقصد سے نگاہ نہیں ہٹاتے، نہ ہی اس تعلق کو نگاہوں سے اوجھل ہونے دیتے ہیں جو ایک مسلمان کو جناب رسالت مآب ا کی ذات مبارک سے ہے۔ یہی رویہ بطور مؤرّخ رشید اختر ندوی کے طرزِ فکر اور منہاج عمل کا تعین کرتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور فلسفہ تاریخ (لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء) ص ۱۹

۲۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور ریاست (لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء) ص ۹

۳۔ Will Durant, The Lesson of History (California: 1968)

۴۔ صادق علی گل، ڈاکٹر، فن تاریخ نویسی، ہوم سے ٹائن بی تک، لاہور: پبلشرز ایمپوزیم، اشاعت سوم، اپریل ۲۰۰۲ء، ص ۲۴

۵۔ محمد اسحاق بھٹی، بزم ارجمنداں (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۶ء) ص ۴۶۹

۶۔ رشید اختر ندوی، طلوع اسلام، حصہ اوّل (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، طبع اوّل، ۱۹۴۵ء) ص ۵، ۶

۷۔ ان جملہ کتب تاریخ کی بالترتیب اشاعت کی تفصیل حسب ذیل ہے:

رشید اختر ندوی،

ایضاً، طلوع اسلام، حصہ اوّل (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، بار اوّل، ۱۹۴۵ء)

ایضاً، طلوع اسلام، حصہ دوم (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، بار اوّل، مئی، ۱۹۴۵ء)

ایضاً، طلوع اسلام، تیسرا حصہ (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، بار اوّل، ۱۹۴۶ء)

ایضاً، طلوع اسلام، حصہ چہارم (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، بار اوّل، جولائی، ۱۹۴۹ء)

ایضاً، مسلمان اندلس میں (لاہور: احسن برادرز، طبع اوّل، ۱۹۵۰ء)

ایضاً، (اسلام آباد: ادارہ معارف ملی، اشاعت اوّل، ۱۹۶۶ء)

ایضاً، تہذیب وتمدن اسلامی، حصہ اوّل (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع اوّل، ۱۹۵۱ء)

ایضاً، تہذیب وتمدن اسلامی، حصہ دوم (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع اوّل، ۱۹۵۲ء)

ایضاً، تہذیب وتمدن اسلامی، حصہ سوم (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، اشاعت اوّل، ۱۹۵۳ء)

ایضاً،مسلمان حکمران (لاہور:احسن برادرز،طبع اوّل،۱۹۵۵ء)

ایضاً،خلافتِ راشدہ اور جمہوری قدریں (لاہور:ادارہ معارف ملی،اشاعت اوّل،۱۹۶۶ء)

ایضاً،اسلام میں مرکزی حکومت کا تصوّر اور اس کی معاشی واقتصادی ذمہ داریاں،(اسلام آباد:ادارہ معارف ملی،طبع اوّل،۱۹۷۵ء)

رشیداختر ندوی،

ایضاً،مغربی پاکستان کی تاریخ جلداوّل (لاہور:مرکزی اردو بورڈ،اشاعت اوّل،نومبر،۱۹۶۵ء)

ایضاً،ارض پاکستان کی تاریخ،جلداوّل،جلددوم (اسلام آباد:ادارہ معارف ملی،مارچ،۱۹۸۷ء)

ایضاً،شمالی پاکستان (لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۰ء)

ایضاً،پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان (اسلام آباد:قومی ادارہ برائے تحقیق وتاریخ وثقافت،طبع اوّل،۱۹۹۵ء)

۸۔ رشیداختر ندوی کی سوانح نگاری کی بالترتیب اشاعت کی تفصیل حسب ذیل ہے:

رشیداختر ندوی،

ایضاً،اورنگ زیب (لاہور:احسن برادرز،طبع اوّل،۱۹۵۲ء)

ایضاً،صلاح الدین ایوبی (لاہور:احسن برادرز،باراوّل،۱۹۵۳ء)

ایضاً،عمر بن عبدالعزیز (لاہور:احسن برادرز،طبع اوّل،جولائی،۱۹۵۷ء)

ایضاً،محمد رسول اللہ ﷺ (لاہور:قومی کتب خانہ،باراوّل،۱۹۵۹ء)

ایضاً،محمد سرورِدوعالم ﷺ (لاہور:ادارہ معارف ملی،طبع دوم،یکم نومبر،۱۹۶۵ء)

ایضاً،حیدرعلی (لاہور:قومی کتب خانہ،باراوّل،جنوری،۱۹۶۶ء)

ایضاً،ذوالفقارعلی بھٹو،سیاسی سوانح حیات،حصہ اوّل (اسلام آباد:ادارہ معارف ملی،۱۵دسمبر،۱۹۷۴ء)

ایضاً،ذوالفقارعلی بھٹو،سیاسی سوانح حیات،حصہ اوّل (اسلام آباد: ادارہ معارف ملی،۲۵مارچ،۱۹۷۵ء)

۹۔ رشیداختر ندوی،طلوع اسلام،حصہ اوّل،ص۶

۱۰۔ رشیداختر ندوی،طلوع اسلام،حصہ اوّل،ص۶۔۷

۱۱۔ رشیداختر ندوی،طلوع اسلام،حصہ اوّل،ص۷

۱۲۔ رشید اختر ندوی،ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی سوانح حیات ، پہلا حصہ(اسلام آباد: ادارہ معارف ملی ،طبع اوّل،دسمبر۱۹۷۴ء)ص۵،۶

۱۳۔ رشیداختر ندوی،ذوالفقارعلی بھٹوکی سیاسی سوانح حیات،پہلاحصہ،ص۶،۷